غبار خاطر اور رسالہ جدیہ کا تقابلی مطالعہ

*عمیر رئیس الدین

ABSTRACT

This present comparative study has been taken up keeping in view the aesthetics of Arabic Intertextuality in the GubarKhatir and Aljaddiah Letters. Molana Azad and IbnZaydon played a vital role in promoting Arabic literature in all over the Word.These letters has been shown significant impact on the Urdu and Arabic literature.This study is centered on Arabic Intertextuality in booths' letters it is also shows influence on the text in form and content. Moreover, it has been shown that the Molana Azad and IbnZaydon has intensively articulated on intertextuality in structuring theirs Letters as they quoted a lot of literal and demonstrative Quranic quotes which embodied events, stances, and stories derived from the Holy Quran and the Prophet Bibliography along with Islamic History. Additionally, they embodied famous poetry of great poets, and current Arabic proverbs in order to cast Aesthetics of frame and provides it with imaginative potentials. Thus, it's became a mosaic of religious traditions, literal and historical texts that infiltrated into its structure and text. And reader feels continuity while reading the one of them.

Keywords: GhubarKhatir, Aljaddiah Letters, Abdul Kalam, IbnZaydon.

تعارف:

اسلامی تاریخ کے سنہرے اوراق میں علم وادب کے لحاظ سے سب سے زیادہ نمایاں اور ترقی یافتہ دور "اندلسی دور" کہلاتا ہے۔ یہ وہ دور ہے جس میں عربی واسلامی ادب پھلا پھولا اور پروان چڑھا یہاں تک کہ عربی ادبیات اپنے نقطہ معراج تک جا پہنچی۔ اس دور کے عرب ادباء وشعراء یورپ کی رنگینیوں سے بڑے متاثر ہوئے اور انہوں نے اپنے اسلوبِ نگارش میں نت نئے اسالیب اور رجحانات کا آغاز کیا۔ نئی ادبی تخلیقات معرضِ وجود میں آئیں۔ اسی دور میں عربی شاعری میں "موشحات" کی صنف متعارف ہوئی جو بعد میں گردشِ زمانہ کی نظر ہو کر "زجل" کی صورت اختیار کر گئی۔ اس دور میں بڑے بڑے نامور نثر نگار اور شاعر پیدا ہوئے جنہوں نے عربی ادب کو اپنی ادبی نگارشات سے مالا مال کیا۔ انہی شعراء میں ابن زیدون مخزومی اندلسی بھی شامل ہے جس کا ادبی شہ پارہ "الرسالۃ الجدیۃ" (سنجیدہ خط) ہمارا موضوع بحث ہے۔

*لیکچرار عربی، سندھ مدرسۃ الاسلام یونیورسٹی، کراچی برقی پتا: rumairarabi@gmail.com

تاریخ موصولہ: ۱۰/۳/۲۰۱۷ء

ابو الولید احمد بن عبد اللہ بن احمد بن غالب بن زیدون مخزومی ۳۹۴ہجری میں قرطبہ میں ایک علمی وادبی گھرانے میں پیدا ہوا۔ خاندانی حسب ونسب، اعلیٰ ادبی وعلمی ذوق اور اپنی مخصوص انشاء پردازی کی بدولت بہت جلد اپنے معاصرین میں ممتاز ہو گیا۔ حاکم قرطبہ ابو الحزم ابن جہور کے دور اقتدار میں "ذوالوزارتین" کے اہم منصب پر فائز ہوا۔ قرطبہ میں یہ ولادہ نامی خاتون کے عشق میں مبتلا ہوا۔ جو بذات خود ایک نامور ادیبہ اور شاعرہ تھی۔ تاہم حاسدین کی سازشوں نے اس کو جیل کی سلاخوں تک پہنچادیا۔ ادبی نثر میں ابن زیدون کے دو خطوط بہت مشہور ہوئے ایک وہ خط جو اس نے جیل کی تنہائیوں سے ابن جہور کو لکھا جو تاریخ میں "رسالۃ جدیۃ" (سنجیدہ خط) کے نام سے زبان زد عام ہوا۔ اور دوسرا وہ خط جو "الرسالۃ الھزلیۃ" (مذاقیہ خط) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ جس میں اس نے اپنے رقیب ابن عبدوس کا ولادہ کی زبانی خوب جی بھر کے مذاق اُڑایا ہے۔[3] البتہ پہلا خط اسکی نثر نگاری کا عظیم شاہکار ہے جو نثری شاعری میں لکھا گیا جس میں عربی ادبیات کی بھرپور تضمین نگاری کی گئی ہے۔ شاعری میں اس نے ابن ہانی کی طرح مشرق کی تقلید کی ہے۔ اس کی شاعری اندلسی دور کی صحیح اور واضح تصویر پیش کرتی ہے۔

اسی طرح بیسویں صدی ہجری کو بھی اُردو ادب کا ایک درخشاں اور سنہری دور قرار دیا جاتا ہے۔ اس دور میں اُردو ادب کو بڑے نامساعد حالات اور حوادثِ زمانہ کا سامنا کرنا پڑا۔ آزادی اور بیداری کی تحریکوں نے جنم لیا۔ اندورنی خلفشار وبیرونی مداخلت کے باوجود ادباء وعلماء بڑی تندہی وجانفشانی سے اپنے فرضِ منصبی کو نبھاتے رہے نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی مساعی وکاوشوں کی بدولت اُردو ادب نئے رجحان اور جدید علوم وفنون سے روشناس ہوا۔ ان علماء وادباء کی جماعت میں سب سے زیادہ روشن ونمایاں ستارہ مولانا ابوالکلام آزاد کی صورت میں ۱۸۸۸ء میں جلوہ گر ہوا۔ جس نے اپنی ذہانت وفطانت اور علمی لیاقت کی بدولت اُردو ادب کو ایک نئے اسلوب اور طرز بیان سے متعارف کروایا۔ آپ مختلف علوم عربیہ کے ماہر، پختہ عالم دین، عظیم قائد، دانشور، صحافی، مصلح، ادیب، سیاستدان، مفکر اسلام، قادرالکلام تھے۔ آپ نے اپنی ۶۹ سالہ زندگی کے تقریباً ۱۰ سال سے زائد کا عرصہ قید وبند کی صعوبتوں کو برداشت کرنے میں گزارا۔ تاہم اس کے باوجود مایوسی وناامیدی اور حوصلہ شکنی کبھی آپ کے راستے میں رکاوٹ نہ بنی بلکہ آپ نے قید وبند کا تمام عرصہ علمی مشاغل میں صرف کیا۔ اسیری ادب کو اپنے دو بے مثال علمی وادبی شہ پاروں "تذکرہ"[4] اور "غبار خاطر" سے مالامال کیا۔ یہ دونوں کتابیں ایام اسیری میں مولانا آزاد نے اپنی قوتِ حافظہ کی بنیاد پر قلمبند کیں۔ اس کے علاوہ تفسیری ودینی ادب میں "ترجمان القرآن"[5] اور "مسئلہ خلافت وجزیرۃ العرب"[6] جیسے علمی ودینی شاہکار معرضِ وجود میں آئے۔ سوانح نگاری میں "آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی"[7] اور "India Wins Freedom"[8] بہت مقبول ہوئیں۔

غبار خاطر:

اُردو ادب میں جدید خطوط نویسی کا موجد مرزا غالب کو تسلیم کیا جاتا ہے جنھوں نے اُردو نثر کو نئے اسلوب سے روشناس کروایا جس کو بعد میں سرسید احمد خان اور مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے اسلوبِ نگارش سے نقطہ عروج تک پہنچادیا۔ مولانا آزاد نے اُردو خطوط نویسی میں ایک نئے طرز اسلوب کی بنیاد رکھی مولانا چونکہ ایک عظیم مفکر اور بالغ نظر سیاستدان تھے اسی لئے انہیں اپنے خیالات وافکار کی ترسیل کے لئے خطوط کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ اور اگر یہ کہا جائے تو ہرگز مبالغہ آرائی نہ ہوگی کہ اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ خطوط لکھنے والے مولانا آزاد ہی تھے جن کے خطوط سینکڑوں کی تعداد میں آج بھی متعدد مجموعوں کی شکل میں برصغیر پاک وہند کی لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔ انہی خطوط میں مولانا آزاد کے وہ خطوط بھی ہیں جو قلعہ احمد نگر کی فصیلوں کے پیچھے قیدِ تنہائی میں حالِ دل وذہنی آبیاری کی غرض سے لکھے گئے۔ یہ تمام خطوط یک طرفہ مکتوب الیہ کی عدم موجودگی اور باہمی مراسلت کے احساس وشعور کی لذت سے محرومی کی حالت میں قلمبند کئے گئے۔ دراصل یہ خطوط مولانا آزاد نے اپنے گہرے دوست مولانا حبیب الرحمن شروانی کے نام لکھے تھے جو جیل کی پابندیوں کے وجہ سے ارسال نہیں کیے جاسکے۔ جیل سے رہائی کے بعد ۱۹۴۶ء میں پہلی بار کتابی شکل میں "غبار خاطر" کے نام سے شائع ہوئے۔ اس کتاب کا عربی ترجمہ ۲۰۱۶ء میں جلال السعید الحفناوی نے مرکز قومی للترجمۃ کے زیر انتظام مصر سے شائع کیا ہے۔

مولانا آزاد نے یہ خطوط نثر منظوم میں تحریر کئے بقول مالک رام غبار خاطر میں مولانا نے تقریباً ۷۰۰ اشعار ذکر کئے ہیں۔[۹] جن میں عربی، اُردو اور فارسی کے اشعار کا برجستگی سے برمحل استعمال ان کی علمی وادبی صلاحیتوں کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہے۔ غبار خاطر ۲۴ خطوط کا مجموعہ ہے جس کا ہر خط نمایاں ادبی، بلاغی وانشائی خصوصیات کا حامل ہے۔ ہم یہاں صرف ان کے خطوط میں عربی ادبیات کے چند نمونے پیش کرتے ہیں۔

غبار خاطر کی نثر کا نمونہ:

مولانا آزاد خط نمبر ۱۳ میں وحدت الوجود کے علمی مسئلہ کو زیر بحث لاتے ہوئے قرآنی آیات کو جس خوش اسلوبی سے اپنی عبارات میں استعمال کرتے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے۔

"دنیا میں وحدت الوجود (Pantheism) کے عقیدہ کا سب سے قدیم سرچشمہ ہندوستان ہے۔ غالباً یونان اوراسکندریہ میں بھی یہیں سے یہ عقیدہ پہنچا اور مذہب افلاطون جدید (Neo Platonism) نے (جسے غلطی سے عربوں نے افلاطون کا مذہب خیال کیا تھا) اس پر اپنی اشراقی عمارتیں استوار کیں"۔ آگے چل کر ان تمام نظریات کی نفی کرتے ہوئے میاں بیوی کے رشتے میں بے وفائی کی مثال سے سمجھاتے ہیں کہ غیور شوہر اپنی بیوی کی تمام

خطائیں معاف کر دے گا مگر اس کی بیوفائی کبھی معاف نہیں کرے گا کیونکہ اس کی غیرت گوارا نہیں کرتی کہ اس کی محبت کے ساتھ کسی دوسرے کی محبت بھی شریک ہو۔ پھر مولانا اس موضوع کو قرآنی آیات سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور مندرجہ ذیل آیات بلاترجمہ نقل کرتے ہیں گویا کہ وہ قارئین کے فہم وادراک کو عربی زبان اور بالخصوص قرآن کریم سے ہم آہنگ تصور کرتے ہیں: "بے شک اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا اس کے علاوہ تمام گناہوں کو معاف کر دیگا"۔(سورۃ النساء:۴'۴۸)

پھر چند سطور کے بعد مزید آگے لکھتے ہیں:

"اسلام نے اپنے عقیدہ کی بنیاد سر تا سر تنزیہہ پر رکھی ہے۔ کوئی چیز اس کی مثل نہیں"۔(سورۃ الشوری:۱۱،۴۲) میں تشبیہ کی ایسی عام اور قطعی نفی کر دی کہ ہمارے تصوری تشخص کے لیے کچھ بھی نہیں رہا۔ "پس اللہ کے لیے مثالیں نہ گھڑو"۔(سورۃ النحل:۴'۷۴) اس نے تمثیلوں کے سارے دروازے بند کر دیئے، اسے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔(سورۃ الانعام:۶'۱۰۳) اور تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا لیکن تو پہاڑ کی طرف دیکھتا رہ۔(سورۃ الاعراف:۷'۱۴۳) نے ادراکِ حقیقت کی کوئی اُمید باقی نہ چھوڑی۔

تاہم انسان کے نظارہ تصور کے لئے اسے بھی صفات کی ایک صورت آرائی کرنی ہی پڑی اور تنزیہہ مطلق نے صفاتی تشخص کا جامہ پہن لیا۔ "اور سب اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں سو اسے انہی ناموں سے پکارو"۔(سورۃ الاعراف:۷'۱۸۰) اور پھر صرف اتنے ہی پر معاملہ نہیں رکا، جابجا مجازات کے جھروکے بھی کھولنے پڑے "بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں"۔(سورۃ المائدۃ:۵'۶۴) اور "ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے"۔(سورۃ الفتح:۴۸'۱۰) اور "اور تو نے مٹی نہیں پھینکی جبکہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی"۔(سورۃ الانفال:۸'۱۷) اور "رحمان جو عرش پر جلوہ گر ہے"۔(سورۃ طہٰ:۲۰'۵) اور "بے شک آپ کا رب تاک میں ہے"۔(سورۃ الفجر:۸۹'۱۴) اور "ہر روز وہ ایک کام میں ہے"۔(سورۃ الرحمن:۵۵'۲۹)

غیر صفاتی تصور کو انسانی دماغ پکڑ نہیں سکتا اور طلب اسے ایسے مطلوب کی ہوئی جو اس کی پکڑ میں آسکے۔ وہ ایک ایسا جلوہ محبوبی چاہتا ہے جس میں اس کا دل اٹک سکے، جس کے حسن گریزاں کے پیچھے والہانہ دوڑ سکے۔ جس کا دامن کبریائی پکڑنے کے لیے اپنا دست عجز ونیاز بڑھا سکے، جس کے ساتھ راز ونیاز محبت کی راتیں بسر کر سکے، جو اگرچہ زیادہ سے زیادہ بلندی پر ہو، لیکن پھر بھی اسے ہر دم جھانک لگائے تاک رہا ہو کہ "بے شک آپ کا رب تاک میں ہے"۔ اور "جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو میں نزدیک ہوں، دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں وہ مجھے پکارتا ہے"۔(سورۃ البقرۃ:۲'۱۸۶)[۱۰]

اس ایک خط میں مولانا آزاد نے وحدت الوجود کے علمی مسئلہ کو اس سلیقہ سے قرآنی آیات سے آراستہ کیا ہے کہ پوری عبارت باہم مربوط اور ہم آہنگ نظر آتی ہے جس کی لطافت سے اہل ذوق و نظر ہی محظوظ ہو سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ مولانا آزاد نے کئی مقامات پر اپنی عبارات کو عربی تراکیب، تشبیہات اور اقوال مآثورہ سے مزین کیا ہے۔ مثلاً وہ خط نمبر ۴ میں لکھتے ہیں:

"رات کو عبداللہ اسپرٹ کا چولہا اور پانی کی کیتلی، پانی بمقدار مطلوب بھری ہوئی ٹیبل پر رکھ دیتا ہے۔ چائے دانی اس کے پہلو میں جگہ پاتی ہے کہ، کسی چیز کو اُس کی صحیح جگہ پر رکھنا۔ یہی اس کا محل صحیح ہونا چاہیے مگر فنجان اور شکر دانی کے لئے اُس کا قرب ضروری نہ ہوا کہ 'کسی چیز کو اُس کی صحیح جگہ پر نہ رکھنا' میں داخل ہو جاتا۔"

اسی خط میں مزید آگے چل کر سگریٹ اور چائے کے حسین امتزاج کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میں چائے کے پہلے گھونٹ کے ساتھ ہی متصلاً ایک سگریٹ بھی سُلگا لیا کرتا ہوں۔ پھر اس ترکیب خاص کا نقش عمل یوں جماتا ہوں کہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد چائے کا ایک گھونٹ لوں گا اور متصلاً سگریٹ کا بھی ایک کش لیتا رہوں گا۔ علمی اصطلاح میں اس صورت حال کو 'پے در پے یعنی مسلسل اور اک کے بعد دوسرا' کہیے۔ اس طرح اس عمل کی ہر کڑی چائے کے ایک گھونٹ اور سگریٹ کے ایک کش کے باہم امتزاج سے بتدریج ڈھلتی جاتی ہے اور سلسلہ کار دراز ہوتا رہتا ہے"۔

اسی طرح خط نمبر ۶ میں فلسفہ کی گتھیوں کو سلجھاتے ہوئے کہتے ہیں:

"عملی زندگی کی تلخیاں گوارا کرنے میں فلسفہ سے کچھ زیادہ مدد نہیں مل سکتی۔ یہ فقدان کا احساس تو کم کر دیگا لیکن حاصل کی کوئی اُمید نہیں دلائیگا اگر ہماری راحتیں ہم سے چھین لی گئیں تو یہ کلیلہ و دمنہ کی دانش آموز چڑیا کی طرح ہمیں نصیحت کرے گا جو کچھ کھو چکا، اس پر افسوس نہ کر"۔[۱۲]

آگے چل کر اسی خط میں زندگی میں تبدیلی کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تبدیلی بجائے خود زندگی کی ایک بڑی لذت ہوئی۔ عربی میں کہتے ہیں: "اپنی مجلسوں کا ذائقہ بدلتے رہو سو یہاں زندگی کا مزہ بھی انہی کو مل سکتا ہے جو اس کی شیرینیوں کے ساتھ اس کی تلخیوں کے بھی گھونٹ لیتے رہتے ہیں"۔[۱۳]

اسی طرح خط نمبر ۸ میں "جبر و اختیار کے درمیان"،[۱۴] خط نمبر ۱۰ میں "اُن کے کان بند کر دیئے"،[۱۵] خط نمبر ۱۲ میں "اگر پردہ اُٹھ بھی جاتا تو میرے یقین میں اضافہ نہ ہوتا"[۱۶] اسی طرح خط نمبر [۱۳] میں "میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا پس میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں۔ اس لئے مخلوق کو پیدا کیا"[۱۷] اسی خط میں مزید "جس نے ذائقہ نہ چکھا اُس کو ادراک نہ ہوا"،[۱۸] "جس نے کہا خوب کہا"۔[۱۹]

اسی طرح خط نمبر ۱۴ میں "اے دلوں کے الٹنے پلٹنے والے! اے حالوں کو بدلنے والے"[۲۰]، خط نمبر ۱۵ میں حدیث "ایمان مٹھاس ہے اور مومن مٹھاس کو پسند کرتا ہے"،[۲۱] اسی طرح مزید اسی خط میں ذکر کرتے ہیں "یعنی اشیاء کی صحیح معرفت اُن کی اضداد کی پہچان سے ہوتی ہے"۔[۲۲]

اسی طرح مولانا آزاد نے عربی ادب کے چوٹی کے شعراء مثلاً: صاحب بن عباد، محمد الغزنی، اَوس بن حجر، بشار بن برد کے متعدد مصرعوں کو اپنی تحریروں کا حصہ بنایا ہے۔ مثلاً وہ خط نمبر ۱۱ میں لکھتے ہیں:

"زندگی میں بہت سے حالات ایسے پیش آئے جو عام حالات میں کم پیش آتے ہیں لیکن معاملہ کا ایک پہلو ایسا ہے جو ہمیشہ میرے لئے معمہ رہا اور شاید دوسروں کے لئے بھی رہے۔ تاہم سراغ ہر حال میں مل جاتا ہے نسل، خاندان، صحبت، تعلیم و تربیت ان مؤثرات کے عنصری سرچشمے ہیں۔ پھر وہ صاحب بن عباد کا مصرعہ نقل کرتے ہیں: "تو کسی کے کردار کے بارے میں خود اس سے دریافت نہ کر بلکہ اس کے ہمجولیوں سے اس کی کیفیت کردار کی بابت معلوم حاصل کر۔[۲۳]

آگے چل کر خط نمبر ۱۸ حکایت زاغ و بلبل میں محمود صاحب کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہیں ہوئے لکھتے ہیں:

ایک دن صبح چائے پیتے ہوئے نہیں معلوم سید محمود صاحب کو کیا سوجھی ایک طشتری میں تھوڑی سی شکر لے کر نکلے اور صحن میں جابجا کچھ ڈھونڈنے سے لگے۔ جب ان کا تعاقب کیا تو معلوم ہوا چیونٹیوں کے بل ڈھونڈھ رہے ہیں۔ جہاں کوئی سوراخ دکھائی دیا، شکر کی ایک چٹکی ڈال دی۔ میں نے جو یہ دیکھا تو یہ کہہ کر ان کے سمندرِ سعی پر ایک اور تازیانہ لگا دیا کہ: "فیاض لوگوں اور اہل سخاوت کے برتنوں میں زمین بھی حصہ دار ہوتی ہے"۔[۲۴]

اسی طرح خط نمبر ۲۴ میں مولانا آزاد نے فن موسیقی، عربوں میں اس کے رجحان، مشہور گلوگار اور موسیقار سلامہ حجازی کے میوزک بینڈ اور تھیٹر کا سیر حاصل تجزیہ کیا ہے اس کے علاوہ مصر کی نامور عالمہ طائرہ نامی باشندہ طنطا کا ذکر کرتے ہوئے لفظ عالمہ کی بھی وضاحت کی ہے کہ مصر میں یہ لفظ مغنیہ (گلوکارہ) کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ پھر آگے چل کر مصر کی ایک اور مشہور مغنیہ ام کلثوم کے مشہور اناشید میں سے علیہ بنت مہدی کے نسیب کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ فن موسیقی میں عربوں کی معرکۃ الآراء کتاب "الآغانی" کا بھی ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

جو حقائق شعر میں الفاظ و معانی کا جامہ پہن لیتے ہیں وہی موسیقی میں الحان و ایقاع کا بھیس اختیار کر لیتے ہیں۔ نغمہ بھی ایک شعر ہے لیکن اسے حرف و لفظ کا بھیس نہیں ملا۔ اس نے اپنی روح معنی کے لیے نواؤں کا بھیس تیار کر لیا۔ پھر وہ بشار بن برد کا مشہور مصرعہ نقل کرتے ہیں: "آواز کی اپنی دلکش تاثیر ہوا کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات کان آنکھوں سے بھی پہلے مبتلائے غم الفت ہو جاتے ہیں"۔[۲۵]

اسی طرح خط نمبر ۲۱ میں اپنی شریک حیات کی وفات کا تذکرہ اوس بن حجر کے مصرعہ میں بیان کرتے ہیں:

"بالآخر ۹ اپریل کو زہر غم کا یہ پیالہ لبریز ہو گیا۔ بس جس بات کا تجھے اندیشہ تھا وہ آخر الامر رونما ہو کر ہی رہی"۔[۲۶]

مولانا آزاد نے اپنی تحریروں میں عربی اشعار کا بھی کثرت سے استعمال کیا ہے مثال کے طور پر وہ خط نمبر ۲ میں اپنے دوست صدیق مکرم مولانا حبیب الرحمن شیروانی کی جانب سے موصول ہونے والے خط کے بارے میں اپنی دلی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

گلمرگ روانہ ہو رہا تھا کہ ڈاک آئی اور اجمل خاں صاحب نے آپ کا مکتوبِ منظوم حوالہ کیا۔ کہہ نہیں سکتا کہ اس پیامِ محبت کو دلِ دردمند نے کن آنکھوں سے پڑھا اور کن کانوں سے سنا۔ آپ نے اپنے تین شعروں کا پیام دلنواز نہیں بھیجا ہے لطف و عنایت کا ایک پورا دفتر کھول دیا ہے پھر عربی شاعر متنبی کا شعر نقل کرتے ہیں:

"آپ کا ذرا سا التفات بھی میرے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس مختصر عنایت کو کسی صورت بھی کم نہیں خیال کیا جا سکتا"[۲۷]

اسی طرح ایک اور جگہ خط نمبر ۳ میں قلعہ احمد نگر میں اپنی قید اور دنیا و مافیہا سے اپنے قطع تعلق کو برسوں کی مسافت سے تشبیہ دیتے ہوئے عدی بن الرقاع کا شعر نقل کرتے ہیں:

كيف الوصول إلى سعاد ودونها قلل الجبال وبينهن حتوف[۲۸]

(میرے راستے کی مشکلات بتاؤ نا! میں اپنی محبوبہ سعاد تک کیسے پہنچ سکتا ہوں۔ اس تک پہنچنے کا راستہ بلند پہاڑوں اور ہلاکت خیزیوں کے خدشات سے بھرا پڑا ہے)

خط نمبر ۴ میں چائے کا وصف بیان کرتے ہوئے بے ساختہ ابو نواس کا شعر بر محل استعمال کرتے ہیں گویا وہ اس شعر سے قدرے مانوس ہوں وہ کہتے ہیں:

"چائے بہت لطیف ہے۔ چین کی بہترین قسموں میں سے ہے۔ رنگ اس قدر ہلکا کہ واہمہ پر اس کی ہستی مشتبہ ہو جائے۔ گویا ابو نواس والی بات ہوئی کہ:

رق الزجاج و رقت الخمر فتشابها فتشاكل الأمر[۲۹]

(آئینے اور شراب کی چمک میں اس قدر مماثلت پیدا ہو گئی ہے کہ دل کی دنیا میں ایک ہنگامہ سا برپا ہو گیا ہے)

اسی خط میں مزید آگے چل کر جیل کے ساتھیوں کی شراب نوشی کے طرز عمل کو عربی اصطلاح "شرب الیہود" سے تعبیر کرتے ہیں اور جن کی جرأت رندانہ اس قید و بند کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی وہ ابو نواس کے اس شعر پر عمل کرتے تھے۔

ولا تسقني سراً فقد أمكن الجهر (مجھے چھپا کر نہ پلا کیونکہ اب کھل کر پینا ممکن ہو گیا ہے)[۳۰]

آگے چل کر مزید خط نمبر ۷ میں لکھتے ہیں:

آنے والی زندگی میں جو معاملات پیش آنے والے تھے یہ ان سے میرا "پہلا سابقہ" تھا۔ پھر قیس عجدی کا عربی شعر نقل کرتے ہیں:

أتاني هواها قبل أن أعرف الهوى فصادف قلبا فارغا فتمكنا[۳۱]

(میں اس کی نظروں کے تیر کا اس وقت سے شکار ہو چکا ہوں جب کہ مجھے محبت کی ابجد سے بھی واقفیت نہ تھی۔ میرا دل اس وقت ہر طرح کی کثافتوں سے پاک صاف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی نگاہوں کا تیر دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا گیا)

دیکھیے یہاں "پہلا سابقہ" لکھتے ہوئے میں نے عربی کی ترکیب كان أول عهدي بها کا بلا قصد ترجمہ کر دیا کہ دماغ میں بسی ہوئی تھی۔

اسی طرح خط نمبر ۲۳ میں عرب کے فلسفی ابو العلاء معری کے اشعار ذکر کرتے ہیں جن میں اُس نے زمانہ کا پورا پھیلاؤ تین دنوں کے اندر سمیٹ دیا تھا: کل جو گزر چکا؛ آج جو گزر رہا ہے؛ کل جو آنے والا ہے:

ثلاثة أيام، هي الدهر كله وما هن، الأمس و اليوم و الغد

وما القمر الا واحد غير أنه يغيب و ياتي بالضياء المجدد[۳۲]

(زمانہ تین حالتوں پر مشتمل ہے۔ وہ کل جو گزر گیا، لمحہ موجود اور وہ کل جو آنے والا ہے۔ یعنی زمانہ ماضی، حال اور مستقبل کا نام ہے۔ چاند بھی تنہا ہی ہے، وہ غائب کے پردوں میں مستور ہوتا ہے تو پھر ایک نئے نور کی نوید لے کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتا ہے)

اسی طرح خط نمبر ۲۱ میں جو ۱۱ اپریل ۱۹۴۳ء کو آپکی شریک حیات کی وفات کے دو دن بعد لکھا گیا اس خط میں مولانا نے اپنے ۳۶ سالہ ازدواجی زندگی کے اچانک جیل میں یوں ختم ہو جانے کا تذکرہ انتہائی سوز و کرب کیساتھ تفصیل سے کیا ہے اسی خط میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

بالآخر ۹ اپریل کو زہر غم کا یہ پیالہ لبریز ہو گیا۔ بس جس بات کا تجھے اندیشہ تھا وہ آخر الامر رونما ہو کر ہی رہی، دو بجے سپرنٹنڈنٹ نے گورنمنٹ بمبئی کا ایک تار حوالہ کیا۔ جس میں حادثہ کی خبر دی گئی تھی۔ اس طرح ہمارے چھتیس برس کی ازدواجی زندگی ختم ہو گئی اور موت کی دیوار ہم دونوں میں حائل ہو گئی۔ ہم اب بھی ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں، مگر اسی دیوار کی اوٹ سے۔ یہاں احاطہ کے اندر ایک پرانی قبر ہے۔ نہیں معلوم کس کی ہے جب سے آیا ہوں سینکڑوں مرتبہ اس پر نظر پڑ چکی ہے۔ لیکن آج اسے دیکھتا ہوں تو ایسا محسوس ہونے لگتا ہے جیسے ایک نئے طرح کا اُنس

اس سے طبیعت کو پید اہو گیا ہے۔ کل شام کو دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ اور متمم بن نویرہ کا مرثیہ جو اس نے اپنے بھائی مالک کی موت پر لکھا تھا، بے اختیار یاد آ گیا۔

لقد لامني عِند القُبُورِ على البُكا رفيقي لتذراف الدموع السوافك
فقال أتبكي كل قبرٍ رأيته لِقبرِ ثوىٰ بين اللوى والدكادِك
فقلت له: إن الشجا يبعث الشجا فدعني، فهذا كله قبر مالك[۳۳]

(میرے رفیق نے جب دیکھا کہ قبروں کو دیکھ کر میرے آنسو بہنے لگتے ہیں تو اس نے مجھے ملامت کی۔ اس نے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ اس ایک قبر کی وجہ سے جو ایک خاص مقام پر واقع ہے تو ہر قبر کو دیکھ کر رونے لگتا ہے؟ میں نے کہا، بات یہ ہے کہ ایک غم کا منظر دوسرے غم کی یاد تازہ کر دیا کرتا ہے، لہٰذا مجھے رونے دے، میرے لیے تو یہ تمام قبریں مالک کی قبریں بن گئی ہیں!)

اسی طرح خط نمبر ۱۷ میں انانیتی ادبیات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایک ادیب، ایک شاعر، ایک مصور، ایک اہل قلم کی "انانیت" (Egoism) کیا ہے؟ ابھی نہ تو فلسفہ و اخلاق کے مذاہب اَنا (Egoism) کا رخ کیجئے، نہ "خودی" (I amness) مصطلحہ تصوف میں جایئے۔ صرف ایک عالم تحلیلی زاویہ نگاہ سے معاملہ کو دیکھیے۔ آپ کو صاف دکھائی دے گا کہ یہ انانیت دراصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس کی فکری انفرادیت کا ایک قدرتی سرجوش ہے جسے وہ دبا نہیں سکتا۔ اگر دبانا چاہتا ہے تو اور زیادہ اُبھرنے لگتی ہے اور اپنی ہستی کا اثبات کرتی ہے۔ ابو العلاء المعری نے جب اپنا مشہور لامیہ کہا تھا:

ألا في سبيل المجد ما أنا فاعل عفاف وإقدام وحزم و نائل

(کسی چیز کو پانے کی خاطر میں جرات، پاکیزگی، محتاط روش اور فیاضی کے اطوار اپنا سکتا ہوں)

یا جب ابو فراس حمدانی نے اپنا لافانی رائیہ کہا:

أراك عصي الدمع شيمتك الصبر أما للهوى نهي عليك ولا أمر

(مجھے معلوم ہے کہ تو آہ زاری نہیں کرے گا کیونکہ تو تحمل اور ثابت قدمی کا خوگر ہے البتہ کوچہ اُلفت میں تیرے لئے کرنے یا نہ کرنے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا)

یا جب ابن سناء الملک نے اپنے زمانہ کو مخاطب کیا تھا:

وإنک عبدی یا زمان، وإننی علی الرغم منی أن أری لک سیدا
وما أنا راض أننی واطئ الثرىٰ ولي همة لاترتضي الأفق مقعدا[۳۴]

(اے زمانے بے شک تیری حیثیت میرے غلام کی ہے اور اسی باعث میں خود کو تیرا آقا خیال کرتا ہوں۔ میں اپنی خاک پیائی پر مسرت محسوس نہیں کر رہا بلکہ میں اتنا دم خم رکھتا ہوں کہ اُفق پر بھی اپنے مقام سے مطمئن نہ ہو سکوں گا)

اس طرح کے کثیر عربی جواہرات مولانا آزاد کے خطوط میں بکھرے پڑے ہیں یہاں ہم نے طوالت کے خوف سے صرف چند مثالیں ہی پیش کی ہیں جو ان کے وسیع و عمیق عربی فہم وادراک اور نثر میں ان کے حسن استعمال کی کمالیت پر شاہد ہیں۔

الرسالۃ الجدیۃ:

ابن زیدون کا رسالۃ جدیۃ (سنجیدہ خط) نثری تخلیقات میں ایک بے مثال ادبی شہ پارہ تصور کیا جاتا ہے۔ اس خط میں ابن زیدون نے انتہائی دلکش اور دلآویز اسلوب میں اپنا مدعا بیان کیا ہے۔ اس کی نثر سادہ اور سلیس ہے۔ روانی اور تسلسل اس کی نمایاں خوبی ہے۔ عبارات میں ہم آہنگی وربط اس کا حسن وجمال ہے۔ قرآنی آیات، عربی اشعار، تاریخی واقعات وحوادث کو اتنے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا گیا ہے کہ عبارت میں کسی قسم کا جھول یا نقص نظر نہیں آتا۔ مزید بر آں کلام کی دلربائی اور شان کو اُجاگر کرنے کے لیے ابن زیدون نے محسنات لفظیہ اور بدیعہ کی جملہ انواع کو جس حسنِ ترتیب اور سلیقہ سے پرویا ہے اس کی مثال کم ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔ بلاشبہ یہ خط اسیری ادب کا شاہکار ہے اور نثر منظوم کا سرتاج ہے۔

اس مختصر خط میں ابن زیدون نے اپنی بے مثال قوتِ حافظہ اور علم وادب سے اپنے گہرے شغف کی بنیاد پر ایسے لازوال موتی بکھیرے ہیں جن کو تاریخ کے اوراق میں سنہرے باب سے گردانا جاتا ہے۔

رسالۂ جدیۃ کی نثر کا نمونہ:

اس خط کا آغاز ابن زیدون نے اپنے آقا وسردار ابو الحزم بن جہور کی مدح سرائی سے کیا ہے وہ لکھتا ہے:

"اے میرے آقا وسردار! میری دوستی ومحبت آپ کے لیے ہی ہے۔ میرا اعتماد وبھروسہ آپ ہی ہیں۔ مجھے تو صرف آپ ہی کی پرواہ ہے اور آپ ہی سے میری ترقی وابستہ ہے۔ اللہ آپ کے عزم وہمت اور حوصلہ کو بلند رکھے آپ کی اُمیدوں کے چراغ کو روشن رکھے اور آپ کی نعمتوں کے دور کو دوام بخشے۔ آپ کو عزت وعظمت سے سرفراز کرے۔ اگرچہ آپ نے مجھ سے اپنی نعمتوں کا لباس چھین لیا، مجھ سے اپنی محبت کا زیور اُتار لیا، مجھے اپنی لطف وعنایات کے لیے ترسا دیا ہے، اپنا دستِ شفقت میرے سر سے اُٹھا لیا اور مجھے اپنی نظر کرم سے محروم کر دیا حالانکہ

اندھوں نے بھی میری آپ سے وابستہ اُمیدوں کو دیکھا، بہروں نے بھی آپ کی مدح سرائی مجھ سے سنی، جمادات اور نباتات نے بھی محسوس کی۔ اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ کبھی کبھی پانی پینے والے کے گلے میں پانی سے ہی پھندا لگ جاتا ہے۔ کبھی دوا باعثِ شفا کے بجائے پیغامِ اجل بھی بن جاتی ہے۔ آدمی کو وہیں سے دکھ پہنچتا ہے جہاں سے وہ مطمئن ہوتا ہے، آرزو کرنے والے کی موت کا سامان اُس کی آرزو میں ہی پوشیدہ ہوتا ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جینے کی تمنا کرنے والے کی تگ ودو سے قبل ہی موت آجاتی ہے۔ بقول شاعر

كل المصائب قد تمر على الفتى وتهون غير شماتة الأعداء[۳۵]

(دشمنوں اور حاسدوں کی خوشی کے علاوہ آدمی ہر مصیبت بآسانی برداشت کرلیتا ہے)

اس مختصر مدحت سرائی وشکوہ شکایت سے لبریز پیراگراف میں ابن زیدون نے محسنات بدیعہ کی انواع میں سے ترصیع واستعارہ کا خوبصورت استعمال کیا ہے اور اپنے آقا کی شان میں مدح سرائی کو جمادات ونباتات کے احساسِ شعور اور گونگوں وبہروں کے تکلم وسماعت سے تشبیہ دینا دراصل حد درجہ مبالغہ آرائی ہے لیکن جس خوبصورتی سے اس نے ان تشبیہات کو اپنی عبارت میں استعمال کیا ہے درحقیقت یہ ابن زیدون کے علومِ بلاغت وفصاحت میں کمال اور اس کے عمیق فہم وادراک کی غماضی کرتا ہے۔

پھر سلسلہ کلام کو جوڑتے ہوئے لکھتا ہے:

"بہر حال میں صبر وضبط کا دامن نہیں چھوڑونگا اور اپنے دشمنوں کو دکھادوں گا کہ میں گردشِ زمانہ کے آگے گھٹنے ٹیکنے والا اور کمزور پڑنے والا نہیں ہوں۔ کیا میں وہ ہاتھ نہیں جس کو اس کے کنگن نے زخمی کردیا ہے اور کیا میں ہی وہ پیشانی نہیں جسے اس کے تاج ہی نے تکلیف پہنچائی ہے اور کیا میں ہی وہ تلوار نہیں جسے اس کے صیقل کرنے والے نے خود ہی مٹی میں ملا دیا ہو، اور کیا میں ہی وہ نیزہ نہیں جسے اس کو درست کرنے والے نے آگ دکھائی ہو، اور کیا میں ہی وہ غلام نہیں جس کے ساتھ اس کے آقا نے اُس شاعر جیسا سلوک کیا ہو جو کہتا ہے:

فقسا ليزدجروا ومن يک حازما فليقس أحيانا على من يرحم[۳۶]

(تو اس نے ان کو اس حرکت سے باز رکھنے کے لئے سختی کی اور جو محتاط ہوتا ہے تو وہ کبھی اس پر بھی سختی کرتا ہے جس پر وہ مہربان ہوتا ہے)

اس پیراگراف کو ابن زیدون نے تین نمایاں ادبی شعراء کے اشعار سے مزین وآراستہ کیا ہے۔ مثال کے طور پر وہ اپنے صبر وتحمل اور عزم وہمت کو أبو ذؤیب الهذلي کے اس شعر سے تعبیر کرتا ہے جو اس نے اپنے بچوں کے مرثیہ میں کہے وہ کہتا ہے:

وتجلدي للشامتين أريهم أني لريب الدهر لا أتضعضع

(اور اپنے دشمنوں کو دکھادوں گا کہ میں گردش زمانے کے آگے جھکنے والا اور کمزور پڑنے والا نہیں ہوں)

پھر اپنے حال دل کو عربی شاعر أبوالطیب المتنبی کی زبانی یوں بیان کرتا ہے:

بنو کعب وما أثرت فیهم ید لم یدمها إلا السوار

(بنو کعب کا اُن پر کوئی اثر نہیں ہوا بلکہ اُن کی مثال اس ہاتھ کی طرح ہے جس کو اسی کے کنگن نے زخمی کر دیا ہے)

اسی طرح اپنے ساتھ ابن جمہور کے ناروا سلوک کو بزبان ابو تمام کے اس شعر میں بیان کرتا ہے جو اس نے مالک بن طوق کی مدح سرائی میں کہے تھے۔

اس طرح کی تضمین نگاری عبارتوں میں وہی ادیب پیش کر سکتا ہے جس کو علم وادب سے گہری واقفیت ہو اور اشعار کے بر محل وبر جستگی سے استعمال پر قدرت ہو۔

آگے چل کر بادشاہ کے عدم توجہی اور تاخیر کی ایسی توجیہ پیش کرتا ہے کہ علم بدیع کی صنف حسن تعلیل عش عش کرنے لگتی ہے ساتھ ہی قرآنی آیت (لکل أجل کتاب) وعربی ضرب المثل (إن مع الیوم غد) کو اپنی عبارت سے اس طرح ہم آہنگ کرتا ہے کہ گویا وہی اصل عبارت ہے وہ کہتا ہے:

"یہ مصیبت موسم گرما کی وہ بدلی ہے جو جلد ہی چھٹ جاتی ہے۔ مجھے اپنے آقا کے دست شفقت کی تاخیر میں کوئی شک وشبہ نہیں کیونکہ جو ڈول کنویں سے اوپر آنے میں وقت لگاتا ہے وہی زیادہ بھرا ہوا ہوتا ہے۔ جو بادل پانی سے بھرے ہوتے ہیں وہ بوجھل ہو کر چلتے ہیں۔ زیادہ مفید بارش وہ ہے جو خشک اراضی پر برسے۔ زیادہ لذیذ شراب وہ ہے جو کسی پیاسے لبوں کو سیراب کرے۔ آج کے ساتھ کل کو آنا ہے ہر شے کا ایک وقت مقرر ہے۔ اگر وہ اس موقعے کو غنیمت جانتے ہیں تو وہ قابل تعریف ہیں اور اگر اس سے غفلت برتتے ہیں تو اس پر وہ سزاوار اور قابل سرزنش نہیں۔ شاعر کہتا ہے:

فإن یکن الفعل الذي ساء واحدا فأفعاله اللاتي سررن ألوف[۳۷]

(اگر آپ کی ایک حرکت سے کسی کو تکلیف ہوئی ہے تو کوئی بات نہیں۔ آپ کے ایسے ہزاروں کام ہیں جن سے دنیا خوش ہوئی ہے)

آگے چل ایک بار پھر اپنی کوتاہ بینی کی حقیقت کا استفسار کرتے ہوئے اپنے آقا کی توجہ حاصل کرنے کے لئے اُس کے عدل وانصاف اور لطف وفضل کا تذکرہ کرتے ہوئے بحتری کا شعر مستعار لیتا ہے:

کہ آخر وہ کون سا جرم ہے جو آپ کے دامن عفو میں سما نہ سکا؟ وہ کون سی نادانی ہے جسے آپ کی عقل ودانش کا سہارا میسر نہیں؟ وہ کون سی دست درازی ہے جسے آپ کا احسان وفضل حاصل نہیں؟ اور وہ کون سی زیادتی ہے جو آپ کی قوت برداشت سے بالاتر ہوگئی؟ میرا معاملہ بہر حال ان دو صورتوں میں سے ایک ہے یا تو میں ہر گناہ سے بری ہوں یا نہ نہیں؟ اگر بری ہوں تو آپ کا عدل وانصاف کہاں ہے؟ اگر مجرم ہوں تو آپ کی مہربانی اور حسن سلوک کہاں ہے۔ شاعر بحتری کہتا ہے:

ألا يكن ذنب فعدلك واسع أو كان لي ذنب ففضلك أوسع[۳۸]

اس کے بعد ابن زیدون اپنی قوت یاداشت پر اعتماد کرتے ہوئے تاریخ کے اوراق پلٹنا شروع کرتا ہے اور اپنے آقا کی توجہ اُن بڑی مشہور ومعروف نافرمانیوں اور گناہوں کی طرف مبذول کرواکر اپنے گناہ اور کوتاہی کو حقیر ظاہر کرکے بری الذمہ ہونا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

ابن جمہور! خدارا رحم کیجیے! پانی سر سے اونچا ہوگیا ہے۔ میں نے جتنا کچھ بھی سہا ہے وہ بہت کافی ہے۔ میں اپنے آپ کو اس حالت میں پاتا ہوں جیسے مجھے حضرت آدمؑ کو سجدہ کا حکم دیا گیا ہو تو میں نے اس سے انکار کر دیا اور کبر وغرور کر بیٹھا۔ حضرت نوحؑ نے مجھ سے کہا: "میری کشتی میں سوار ہو جاؤ"۔ میں نے کہا: "میں ایک ایسے پہاڑ پر پناہ لوں گا جو مجھے (ڈوبنے) سے بچالے گا"۔ مجھے محل کی تعمیر کا حکم دیا گیا "تاکہ موسیٰ کے خدا کو دیکھ سکوں"۔ میں نے بچھڑے کی عبادت کی۔ ہفتہ کے روز میں نے اپنی حد سے تجاوز کیا۔ میں نے سخاوت میں مقابلہ کیا اور غالب آگیا۔ میں نے اس دریا کا پانی پی لیا جس سے طالوت کی فوج کے صبر کا امتحان لیا گیا تھا۔ میں نے ابرہہ کے ہاتھی کو کعبہ کی طرف ہانکا۔ قریش سے عہد نامے کی دفعات پر معاہدہ کیا۔ بیعت عقبہ کے دن میں نے تاویل سے کام لیا اور حیلہ سازی کی۔ میں بدر کے دن قافلہ سے نکل گیا۔ اُحد کے دن ایک تہائی لوگوں کو لے کر میدانِ جنگ سے واپس آگیا۔ بنو قریظہ میں نماز عصر سے پیچھے رہ گیا۔ اگر یہ سب مجھ سے سرزد ہوا ہوتا تو میرے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اس کا جز اور مجازی سہی اسے سزا کہا جاسکتا ہے"۔[۳۹]

وہ اس گناہ کا سراسر الزام حاسدین پر لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ:

میرے آقا! آپ کے پاس جن لوگوں نے باتیں پہنچائی ہیں وہ سب فاسق وفاجر ہیں۔ یہ چغل خور لوگ ہیں جن کی صدق بیانی بھی مذموم سمجھی جاتی ہے۔ حضور والا! سچ یہ ہے کہ: صبح نے جو چادر زیب تن کی ہے اس پر میں نے ہی

آپ کی عظمت کے گل بوٹے سجائے ہیں۔ کہکشاں نے اپنے گلے میں جو ہار ڈالا ہے، اسے میں نے ہی آپ کے مآثر کی موتیوں سے سجایا ہے۔ موسم بہار میں جو دلکشی ہے وہ اس لیے ہے کہ اسے میں نے آپ کی خوبیوں سے آراستہ کیا ہے۔ مشک میں جو خوشبو ہے وہ اس لیے ہے کہ اس میں میں نے آپ کی تعریف و توصیف کو گوندھا ہے۔[۴۰]

اس پیراگراف میں وہ قرآنی تلمیحات پیش کرتا ہے مثال کے طور پر وہ حاسدین اور چغل خوروں کو قرآنی آیت: "اور تو کسی ایسے شخص کا کہا بھی نہ ماننا جو زیادہ قسمیں کھانے والا ذلیل ہے۔ بے وقار طعنے دینے والا، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے" (سورۃ القلم:۱۱،۸۶۔۱۰) اور اور ان کی خبروں کو "اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو خوب اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو" (سورۃ الحجرات:۶،۹۴) سے تعبیر کرتا ہے۔

اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ میں نے نثر میں بہت بات کر لی ہے اب میں چاہتا ہوں کہ آپ کو کچھ اشعار بھی سنادوں کیونکہ شعر کا اثر زیادہ ہوتا ہے اس کے بعد وہ تقریباً اکتیس اشعار پر مشتمل ایک طویل قصیدہ نقل کرتا ہے جس کے تمام اشعار شکوہ شکایت، اظہارِ ملامت اور معذرت خوانہ اسلوب میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ جن کے ذریعے وہ ابن جمہور کو قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے تاہم اس کے باوجود وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو پاتا۔[۴۱]

خلاصہ بحث:

مولانا آزاد اور ابن زیدون کے خطوط کو اسیری ادب میں نمایاں مقام حاصل ہے جس قدر ان خطوط کو قبولِ عام نصیب ہوا شاید ہی اُردو و عربی مکتوب نگاری میں کسی اور کتاب کے حصہ میں آیا ہو۔ بلاشبہ یہ خطوط نثر منظوم کے ادبی شہ پارے ہیں۔ یہ دونوں خطوط قید کی تنہائی میں دنیا کی رنگینیوں سے کوسوں دور بغیر کسی علمی مصادر و مراجع سے استفادہ کئے بے مثال اور حیرت انگیز قوت حافظہ کی بنیاد پر لکھے گئے۔ لیکن پھر بھیان کا قلم یاس و قنوط سے مبرا، زندگی کی خوبصورتی و تازگی سے لبریز قلمی تصاویر و منظر نگاری کے فیضان جاری کر رہا ہے۔ ابن زیدون کا خط عربی اسلوبِ بلاغت و فصاحت کی جملہ اصناف کا عملی مظہر ہے ٹھیک اسی طرح مولانا آزاد کی غبار خاطر اُردو بلاغت و فصاحت کا نقطہ معراج ہے۔ دونوں کی تحریریں تضمین نگاری کا اعلیٰ ادبی نمونہ پیش کرتی ہیں۔ البتہ مولانا آزاد کے خطوط عربی کے علاوہ اُردو و فارسی کے متون و اشعار سے بھی آراستہ ہیں۔ ابن زیدون کے اس مختصر خط کا مطالعہ کرنے سے اس کی کمال وسعتِ علمی، قرآنی ذوق و شوق، علوم عربیہ و فنون اسلامیہ سے گہرا شغف، قدیم و جدید عربی ادبیات سے کلی واقفیت، تاریخی واقعات و حوادث سے آگہی اور دلائل و براہین کو سلیقہ سے عبارات میں استعمال کرنے کا فن کھل کر ہمارے سامنے آتا ہے۔ اسی طرح ہم اگر غبار خاطر کا فکر و فن کے آئینے میں تجزیہ کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا آزاد نے بھی غبار خاطر کے خطوط میں وہی اسلوبِ نگارش اختیار کیا ہے جو ابن زیدون کے خط میں

نمایاں طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ مولانا آزاد بھی ابن زیدون کی طرح اپنے اسلوب میں قرآنی آیات، احادیث، اقوال مأثورہ، عربی اشعار، تراکیب، تلمیحات، تشبیہات، استعارات، امثال و حکم کا جابجا استعمال کرتے ہیں۔ لیکن مولانا آزاد کا اسلوب ابن زیدون سے اس لئے نمایاں ہے کہ انہوں نے اُردو خطوط نگاری میں عربی ادبیات کو اس خوبصورت انداز سے پرویا ہے کہ وہ درحقیقت اُردو متون کا حصہ بن گئی ہیں۔ جس کا بین ثبوت آپ کا کہیں بھی عربی متون کا اُردو ترجمہ پیش نہ کرنا ہے۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ عبارت باہم مربوط و ہم آہنگ ہے کہیں بھی آپ تسلسل و ربط ٹوٹا ہوا محسوس نہیں کریں گے۔

محققین نے دونوں کتابوں کی خوب تحقیق و چھان پھٹک کی ہے اور اس کی شرح و تخریج میں گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ محقق مالک رام نے غبار خاطر میں ۱۴۰ صفحات پر مشتمل اپنے حواشی و مراجع کا اضافہ کیا ہے۔ جس میں فہرست آیاتِ قرآنی واحادیثِ مبارکہ، فہرستِ اعلام وکتب، اشعار کی تخریج وترجمانی قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح عربی میں رسالۃ جدیۃ کی مختلف نام سے شرحیں لکھی گئی ہیں جو ضخامت کے لحاظ سے تقریباً ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہیں جن میں ابو بکر محمد علیم کی الدر المخزون فی شرح الرسالة الجدية جو ۱۹۶۲ء میں مطبع الشرق مصر سے شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ خلیل ابن ایبک الصفدی کی تمام المتون فی شرح رسالة ابن زیدون جو ۱۹۶۹ء میں مکتبہ العصریہ سے شائع ہوئی۔

مراجع وحواشی

۱۔ نظم کی ایک قسم جو پانچ یا زیادہ بند پر مشتمل ہوتی ہے۔ ہر بند میں تین مصرعہ ہم قافیہ اور پھر دو مصرعہ شروع کے بیت کے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔

۲۔ سادہ لوک شاعری کی صنف جس میں ہر بند کے آخر میں ایک مصرعہ شروع کے شعر کا ہم قافیہ اور ردیف ہوتا ہے۔

۳۔ زیات، احمد حسن، تاریخ ادب عربی، ص: ۳۳۰-۳۲۹، (طبع اول) مصر، دار النھضۃ للطبع والنشر

۴۔ تذکرہ اسیری ادب کا علمی شاہکار ہے۔ یہ کتاب آپ نے اپنے ایک دوست مولانا فضل الدین احمد کے بے حد اصرار پر لکھی تھی جنہوں نے اس کتاب کو مرتب کر کے مولانا کی اجازت کے بغیر شائع کیا۔ یہ کتاب دراصل مولانا آزاد نے اپنے خاندانی حالات کو قلمبند کرنے کی غرض سے لکھی لیکن ضمناً اس میں متعدد علماء حق کی استقامت کے ایمان افروز واقعات و علماء سوء کی مکاریوں کا اجمالی تذکرہ بھی آگیا ہے۔ نیز فلسفہ، علم کلام اور منطق پر بھی سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ اس کا اسلوب عالمانہ عربی و فارسی ادبیات سے لبریز ہے گویا کہ اس کہ مخاطب اہل علم و نظر ہوں۔

۵۔ ترجمان القرآن تفسیری ادب کی لاثانی تخلیق ہے۔ جو مولانا آزاد کے قرآنی ذوق کی آئینہ دار ہے۔ یہ نامکمل تفسیر ۱۸ پارے کی سورۃ المومنون تک ہے۔ اس تفسیر میں مولانا آزاد نے قدیمی مروجہ اسلوب سے ہٹ کر ایک نئے انداز کو اپنایا ہے اور اپنی علمی وادبی اور لسانی فہم ومہارت کے ذریعے اس کا کماحقہ حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔۔۔ اس میں نمایاں طور پر سورۃ فاتحہ کی تفسیر، اصحاب کہف اور ذوالقرنین کی تاریخی شخصیات کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

۶۔ یہ کتاب ۱۹۲۰ء میں صوبہ بنگال میں ہونے والی خلافت کانفرنس میں مولانا آزاد کے خطبہ صدارت پر مشتمل ہے۔ مولانا آزاد نے اس خطبہ کے تمام موضوعات کے مباحث میں چار مہینے بعد خود ہی اضافہ کر دیا تاکہ بحث مکمل ہو جائے اور مسئلہ خلافت کے موضوع پر ایک جامع کتاب تیار ہو جائے۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۲۰ء میں شائع ہوئی۔ مصباح اللہ عبد الباقی نے اس کتاب کا عربی ترجمہ زیر انتظام مکتبہ اسکندریہ، مصر سے شائع کر دیا ہے۔

۷۔ ۱۹۲۱ء میں جب مولانا آزاد نظر بند ہوئے تو ان کے ساتھ انکے صحافتی دوست عبد الرزاق ملیح آبادی بھی گرفتار ہوئے۔ جیل میں مولانا آبادی نے ان کو بڑی مشکل سے تذکرہ کی دوسری جلد لکھنے پر راضی کیا۔ مولانا آزاد بولتے جاتے اور مولانا عبد الرزاق لکھتے جاتے اس طرح یہ کتاب مکمل ہوئی۔ اس کتاب میں مولانا آزاد کے آباء واجداد کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ نیز مولانا آزاد کی زندگی کے مختلف مراحل خاص کر عہدِ طفولیت اس سے زیادہ تفصیل سے کسی اور کتاب میں نہیں ملے گا۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۵۸ء میں شائع ہوئی۔

۸۔ یہ کتاب مولانا آزاد کی انگریزی میں میں سوانح حیات ہے جو پروفیسر ہمایوں کبیر نے مولانا آزاد کے حالات اُنہی کی زبانی سن کر قلمبند کئے۔ یہ کتاب مولانا آزاد کی وفات کے فوراً بعد شائع ہوئی۔ اس کتاب کا اُردو ترجمہ محمد مجیب صاحب نے "ہماری آزادی" کے نام سے کیا جو ۱۹۶۱ء میں کلکتہ سے شائع ہوا۔ اس کے علاوہ مکتبہ جمال لاہور نے "آزادیٔ ہند" کے نام سے اس کا اُردو ترجمہ ۲۰۰۳ء میں شائع کیا ہے۔

۹۔ آزاد، مولانا، ابو الکلام، غبار خاطر، ص: ۲۲، (طبع اول)، لاہور، مکتبہ جمال ۲۰۰۶ء

۱۰۔ غبار خاطر، ایضاً، ص: ۱۴۰۔۱۳۹

۱۱۔ غبار خاطر، ایضاً، ص: ۴۸۔۴۷

۱۲۔ غبار خاطر، ایضاً، ص: ۶۴

۱۳۔ غبار غبار خاطر، ایضاً، ص: ۴۷

۱۴۔ غبار خاطر، ایضاً، ص: ۹۰

۱۵۔ غبار خاطر، ایضاً، ص: ۱۰۴

۱۶۔ غبار خاطر، ایضاً، ص: ۱۳۱

۱۷۔ غبار خاطر، ایضاً، ص: ۱۴۲

۱۸۔ غبار خاطر، ایضاً، ص: ۱۴۵

۱۹۔ غبار خاطر، ایضاً، ص: ۱۴۷

۲۰۔ غبار خاطر، ایضاً، ص: ۱۶۲

۲۱۔ غبار خاطر، ایضاً، ص: ۱۶۹

۲۲۔ غبار خاطر، ایضاً، ص: ۱۷۱

۲۳۔ غبار خاطر، ایضاً، ص: ۱۱۷

۲۴۔ غبار خاطر، ایضاً، ص: ۱۹۶

۲۵۔ غبار خاطر، ایضاً، ص: ۲۶۲

۲۶۔ غبار خاطر، ایضاً، ص: ۲۴۱

۲۷۔ غبار خاطر، ایضاً، ص: ۴۰

۲۸۔ غبار خاطر، ایضاً، ص: ۴۲

۲۹۔ غبار خاطر، ایضاً، ص: ۴۸

۳۰۔ غبار خاطر، ایضاً، ص: ۵۰

۳۱۔ غبار خاطر، ایضاً، ص: ۹۷

۳۲۔ غبار خاطر، ایضاً، ص: ۲۴۷

۳۳۔ غبار خاطر، ایضاً، ص: ۲۴۲۔۲۴۱

۳۴۔ غبار خاطر، ایضاً، ص: ۱۸۹

۳۵۔ عبد العظیم، علی، دیوان ابن زیدون ورسائلہ، ص: ۶۸۲۔۶۸۰، (طبع اول) مصر، نھضۃ للطباعۃ والنشر، ۱۹۶۷ء

۳۶۔ دیوان ابن زیدون ورسائلہ، ایضاً، ص: ۶۸۴۔۶۸۳

۳۷۔ دیوان ابن زیدون ورسائلہ، ایضاً، ص: ۶۸۶۔۶۸۴

۳۸۔ دیوان ابن زیدون ورسائلہ، ایضاً، ص: ۶۸۷

۳۹۔ دیوان ابن زیدون ورسائلہ، ایضاً، ص: ۶۹۲۔۶۸۸

۴۰۔ دیوان ابن زیدون ورسائلہ، ایضاً، ص: ۶۹۶۔۶۹۵

۴۱۔ دیوان ابن زیدون ورسائلہ، ایضاً، ص: ۷۱۷